DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v60i2.2215

اصول تفسیر میں مولانا عبید اللہ سندھی کا منہج و اسلوب

وقار احمد ۞ شاہ معین الدین ہاشمی ۞

Methodology and Style of Molana ‘Ubaidullah Sindhī in Principle of Qur’anic Interpretation

Waqar Ahmad ۞ Shah Moeen ul Din Hashmi ۞

Abstract: Mulana Ubaidullah Sindhī was an eminent scholar of subcontinent. He was a converted Muslim. He completed his education from Deoband and established different institutes from which a number of scholars benefited. Maulana Ubaidullah Sindhī was a wise scholar of the ancient tradition. He tried to play the role of a bridge between ancient and modern. Maulana spent a large part of his life pondering over the Holy Qur’an. Maulana gave a modern interpretation of the Holy Qur’an in the light of ancient principles. Through which he opened new views of the understanding of the Qur’an. In the article under review, Maulana's method and style in Usul Tafsir has been reviewed. An attempt will be made to clarify Maulana's thoughts by dividing this paper into three discussions. Maulana Ubaidullah Sindhi's trust and guidance from the principles of interpretation stated by Shah Waliullah and few principles Molana Sindhī are described in this article these are the discorses of Qur’anic interpretation.

Keywords: Qur’an, interpretation, Mulana Ubaidullah Sindhī, methodology, style

Summary of the Article

Moulana ubaidullah Sindhi has spent more than fifty years of his life contemplating in the holy Qur’an and wrote down his thought and findings. Molana’s disciples have compiled his discourses in Arabic, Urdu and Sindhi languages ,Molana has written down his thoughts on principals of Tafsir which

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، خانپور، ہری پور۔

۞ چیئرمین شعبہ سیرت، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

۞ Assistant Professor, Govt. Degree College, Khanpur, Haripur. (Waqar.iiu1984@gmail.com)

۞ Profesor/ Deen Faculty of Islamic Studies & Arabic, Allama Iqbal Open Univesity, Islamabad

has been compiled with the name of " Imali-e-Tafseer", "Hawashi-e-fauz ul kabeer",and "A brief introduction of shah wali ullah and his thoughts, Basically molana Ubaidullah Sindhi is an interpreter of thoughts of shah wali ullah, therefor he never deviates from the principles of shah wali ullah in Tafsir but rather deduced from his principles, adapted and explained his thoughts and added to him whereas he felt necessary though his explanation in some places is not excepted by the other commentators of shah wali ullah's thoughts.

Shah Walī ullah has described the concept of abrogation in the holy Qur'an and has explained those twenty verses of holy Qur'an which was declared abrogated by Imam Suyuti except five of them. According to Molans Ubaidullah Sindhi leaving these five verses doesn't mean that shah wali ullah believes in abrogation in the Holly Qur'an but he explained the most difficult verses and left five of them which are comparatively easy for the descendants, so Molana Ubaidullah Sindhi explained all those verses according to the principles of shah wali ullah.

While discussing the order of text of holy Qur'an. Shah Walī ullah described in his book "Al fauz ul kabeer" that the holy quran follows the common proverb of Arabs in explaining the five concepts not the methodology of authors. Therefore a misconception about him emerged that he does not believe in order and connection of text (rabt ul Qur'an) as he did not pay his attention on it so Molana Ubaidullah sindhi described while he was explaining the misconception that "As per my understanding the point of view of shah wali ullah in order and connection of text of holy Qur'an is that he believes in order of text but the five contents which he explained in his book "Al fauz Al Kabir" are not gathered in the text of Holly Quran such a way all verses of "Ahkam"(commandments) are brought together and the verses of interfaith debate are brought together and then other three contents accordingly.

Another important discussion in Quranic studies is concept of "Mutashabihat" (The Qur'anic verses whose meaning are hidden and veiled), so Molana Sindhi describes that shah wali ullah is one of "Rasikhein" (firm and mature in knowledge) mentioned in the verse translated as " Only rasikhein) can understand the meaning of mutashabihat".

Seerah is also a basic concept of quranic studies so according to Molana Ubaidullah Sindhi the holy Quran is principle book while hadith and Sunnah are inferred from it and explanatory bylaws of it which depend on Quran for its authenticity. If a world has multiple meanings literally then Molana prefers one which is most compatible to Sunnah and Seerah despite being odd literally. As in the meaning of "al muzammil" and "al mudassir". In explanation of metaphysical verses and scientific interpretation of holy Quran he denies the explanations contradicts with the default concepts of Islamic thoughts but he believes that the interpretation should be in a way clarifies the doubts of modern mind with the coherence of default concepts of Sahaba.

According to Molana's point of view there are three concepts are most important in general understanding of holy Quran: first, contemplation in the holy Quran,

second, properly implementation and practice of the results of this concentration and third, Sīrah of the Holy Prophet (peace be on him) should be the role model in understanding and practicing the holy Qur'an.

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

مولانا عبید اللہ سندھی قریب زمانہ کے بڑے مفسرین میں سے ایک ہیں، جن سے عرب و عجم کے اہل علم نے استفادہ کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے نصف صدی سے زائد عرصہ قرآن حکیم پر غور و فکر میں گزارا ہے۔ مولانا کی امالی تفسیر عربی، اردو اور سندھی زبان میں مرتب ہوئی ہے۔ ان امالی کے مرتبین بھی اپنے دور کے بڑے اہل علم میں سے ہیں۔ مولانا نے علم تفسیر میں روایت کے ساتھ ساتھ دور جدید کے معاشی و سیاسی مسائل کو تفسیر قرآن کا موضوع بنا کر تفسیر قرآن میں جدت پیدا کی ہے۔ جس کی بناء پر ان کے بعض معاصر اہل علم نے ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ زیر نظر مقالے میں مولانا کے اصول تفسیر کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

مولانا عبید اللہ سندھی بنیادی طور پر شاہ ولی اللہ دہلوی کی فکر کے ترجمان تھے، اس لیے وہ اصول تفسیر اور علم تفسیر میں کہیں بھی اصولاً شاہ صاحب سے الگ نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنی رائے کے لیے شاہ صاحب سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ البتہ انھوں نے شاہ صاحب کے اصولوں کی عملی تطبیق اور توضیح و تشریح کی ہے، اور بقدر ضرورت ان میں اضافہ بھی کیا ہے۔ بعض مواقع پر شاہ صاحب کے اصولوں کی ایسی تعبیر بھی کی ہے، جسے شاہ ولی اللہ کے بعض دیگر شارحین تسلیم نہیں کرتے۔ مولانا اپنی تحریرات و تقریرات میں اس بات کا بارہا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ شاہ صاحب سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں، شاہ صاحب اور ان کی جماعت کے علماء ہی ان کے فکری و اصولی رہنما ہیں۔ اس مقالہ کو تین مباحث میں تقسیم کیا جائے گا۔

مبحث اول: شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصول تفسیر پر مولانا عبید اللہ سندھی کا اعتماد

مبحث دوم: شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصولوں کی توضیح و تشریح

مبحث سوم: افادات تفسیریہ میں بیان شدہ بعض منتخب اصول

مبحث اول: شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصول تفسیر پر مولانا عبید اللہ سندھی کا اعتماد

مولانا عبید اللہ سندھی اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ اپنے افادات تفسیر میں جابجا شاہ ولی اللہ کے اصول تفسیر کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں، نیز شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ علوم خمسہ کی پورے قرآن مجید میں تطبیق کرتے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں:

قرآنی معارف و مطالب میں مجھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے علاوہ کسی اور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی، میں نے قرآن سے جو کچھ اخذ کیا ہے اور جو بھی معانی و مضامین قرآن سے مستنبط کیے ہیں، مجھے ان کی تعیین اور تائید کے لیے شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔[۱]

مولانا مسلمانوں کو شاہ صاحب کے افادات تفسیریہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمارے اس زمانے میں جب کہ ہندوستان سے اسلامی حکومت جاچکی ہے اور دین اسلام کی برتری کی تائید میں عامۃ الناس کے لیے مسلمانوں کے سیاسی غلبے اور دنیاوی شوکت کے جو مادی اسباب تھے وہ بھی نہیں رہے۔ اس زمانہ میں قرآن اور اسلام کی تائید میں شاہ صاحبؒ کے ان علمی افادات اور حکیمانہ افکار کی طرف ہندوستانی مسلمانوں کا توجہ نہ کرنا سب سے بڑی بد قسمتی ہے۔

مولانا کے نزدیک شاہ ولی اللہ کے جملہ علوم و معارف قرآن حکیم کے گرد گھومتے ہیں، چناں چہ مولانا کہتے ہیں: "شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا جو نصب العین معین فرمایا ہے وہی ان کی حکمت کی اساس ہے۔ جب ہم "فلسفہ شاہ ولی اللہ" کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مرادوہ حکمت ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآنی مقاصد کا لبّ لباب ہے۔"[۲]

مولانا نے شاہ ولی اللہ کی کتب تفسیریہ کا بھی بہترین تعارف کروایا ہے، یہاں صرف الفوز الکبیر اور ترجمہ قرآن کے متعلق مولانا کی رائے درج کی جاتی ہے۔

الفوز الکبیر اور مولانا سندھی

اصول تفسیر کی کتب میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب **الفوز الکبیر** ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہ کتاب مدارس اسلامیہ اور یونی ورسٹیز میں ایم اے و ایم فل کی سطح پر نصاب میں شامل ہے۔ اس کی اردو، عربی اور فارسی میں متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے نزدیک علم اصول تفسیر کی اساس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی **الفوز الکبیر** اور دیگر کتب ہیں، وہ انہی کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق تفسیر کرتے ہیں، اور پھر اپنے دور اور حالات کے مطابق ان اصولوں کے اطلاق میں توسیع بھی کرتے ہیں۔ چناں چہ الفوز الکبیر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنا واقعہ لکھتے ہیں:

۱۔ عبید اللہ سندھی، **شاہ ولی اللہ اور انکا فلسفہ**، ۲۲۔

۲۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، تحقیق و تعلیق مفتی عطاء الرحمن قاسمی (دہلی: شاہ ولی اللہ اکیڈیمی)، ۴۲۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ تفسیر قرآن کے مطالعہ کے سلسلہ میں ایک دفعہ میں نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصولِ تفسیر پر کچھ کتابیں مانگی تھیں۔ آپؒ نے مجھے حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ کی **الاتقان فی علوم القرآن** مرحمت فرمائی ۔میں نے بڑی توجہ اور پوری کوشش سے ساری کتاب بارہا پڑھی لیکن مجھے اس میں سوائے چند اوراق کے اور کوئی دلچسپ چیز نظر نہ آئی جسے علم تفسیر میں اصول کا درجہ دیا جا سکتا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ میں اصولِ فقہ پڑھ کر اور اس سے فارغ ہو کر اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھ چکا تھا۔ انہی دنوں میں حضرت مولاناؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اصول تفسیر کے متعلق شاہ ولی اللہؒ کا بھی ایک رسالہ **الفوز الکبیر** کے نام سے ہے۔--------
مدرسہ دیوبند سے فارغ ہو کر جب سندھ پہنچا تو مجھے "**الفوز الکبیر**" کا نسخہ ملا اس سے پہلے میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ **الفوز الکبیر** میرے ہاتھ آئی اور میں نے اس کی پہلی فصل ختم کی تو مجھے اطمینان ہو گیا کہ خدا نے چاہا تو مجھے علم تفسیر آ سکتا ہے۔ چناں چہ اس دن کے بعد آج کا دن ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے سلسلے میں مجھے کبھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔[۳]

مولانا نے **الفوز الکبیر** کے مطالب کی تشریح اپنے مقالہ "شاہ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" میں کی ہے، اسی طرح مولانا کے جملہ افادات تفسیریہ میں بھی ان مباحث کی تفسیر و تشریح ملتی ہے۔ **الفوز الکبیر** پر مولانا کے عربی افادات مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی کوشش سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں۔

شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن اور مولانا سندھی

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن ہندوستان اور اردو زبان کے تمام تراجم قرآن کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنے اس کام کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ زمانہ جس میں ہم لوگ موجود ہیں، اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمہ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجہات کے ذکر کے بغیر کیا جائے تاکہ عوام اور خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں اس لیے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا۔[۴]

قرآن حکیم سے تعلق رکھنے والے جملہ علماء ہند نے اس ترجمہ کی تعریف کی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے تو تمام

۳۔ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، ۳۲۔

۴۔ مقدمہ تفسیر فتح الرحمن، بحوالہ **تاریخ دعوت و عزیمت**، مولانا ابو الحسن علی ندوی، (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام،، ۱۹۴۸ء)

مترجمین ہند کے تراجم کو قرآن حکیم کے ترجمہ کے بجائے شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزندان گرامی کے ترجمہ کا ترجمہ قرار دیا ہے۔ مولانا سندھی اس ترجمہ قرآن کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

--- ۱۱۵۰ ہجری میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں **فتح الرحمن** کے نام سے ترجمہ کیا، جو ۱۱۵۱ ہجری میں ختم ہوا، اور ۱۱۵۶ھ میں **فتح الرحمن** کی تدریس کا افتتاح ہوا۔ آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے۔ جن کی اہمیت میں یورپ جا کر سمجھ سکا ہوں۔[۵]

مولانا سندھی ہندوستانی مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے شاہ صاحب کے ترجمہ سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے، مولانا کہتے ہیں:" میرے نزدیک قرآن کے مطالب اور مقاصد سمجھنے کی خاطر ایک ہندوستانی مسلمان کے لیے قرآن عظیم کا یہ ترجمہ جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے **فتح الرحمٰن** کے نام سے کیا ہے تمام تفسیروں سے بہتر کتاب ہے۔"[۶]

مبحث دوم: شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصولوں کی توضیح و تشریح

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ شاہ ولی اللہ کے افکار کے فہم اور تعلیم میں صرف کیا ہے۔ چناں چہ اصول تفسیر میں بھی انھوں نے شاہ صاحب کے افکار کی توضیح اپنے منفرد انداز سے کی ہے، جن میں شاہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ کی تشریح و توضیح اور پورے قرآن میں ان کی تطبیق، اسباب نزول پر شاہ صاحب کی رائے اور اس کی عملی تطبیق، مسئلہ نسخ قرآن، ربط آیات، فہم متشابہات وغیرہ شامل ہیں۔ ذیل میں بطور مثال کے صرف تین مسائل پر مولانا کی توضیح بطور مثال کے پیش کی جاتی ہے۔

مسئلہ نسخ قرآن پر شاہ ولی اللہ کی رائے کی توضیح

نسخ قرآن کا مسئلہ اصول تفسیر کے علماء کے ہاں بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے، قدیم و جدید علماء کا اس مسئلہ پر اختلاف رہا ہے کہ کیا قرآن حکیم میں کوئی آیت منسوخ ہے یا نہیں، پھر جو منسوخ مانتے ہیں، ان کے ہاں تعداد میں اختلاف رہا ہے کہ کتنی آیات منسوخ ہیں۔ اسی طرح نسخ کی تعریف میں بھی متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس موضوع پر الفوز الکبیر میں ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے، اور امام سیوطیؒ کی بیان کردہ بیس منسوخ آیات میں سے پانچ میں نسخ کو تسلیم کیا ہے، جب کہ پندرہ آیات کی تاویل کر کے انہیں غیر منسوخ مانا ہے۔ مولانا

۵۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، ۳۳۔

۶۔ نفس مصدر۔

سندھی قرآن حکیم کی کسی آیت کو منسوخ نہیں مانتے، اور شاہ صاحب کی بیان کردہ پانچ آیات کی توجیہ شاہ صاحب کے ہی اصول پر کر کے انہیں بھی غیر منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مولانا سندھی کے خیال میں شاہ صاحب بھی منسوخ القرآن کے قائل نہیں ہیں، انھوں نے مشکل آیات کی توضیح کر دی ہے، اور آسان پانچ آیات کو آنے والے اہل علم کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ مولانا نے نسخ سے متعلقہ شاہ ولی اللہ کی فکر کی توضیح کرتے ہوئے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔

نسخ سے پورا قرآن مشکوک

مولانا کے خیال میں قرآن حکیم میں اگر نسخ اپنے حقیقی معنوں میں مانا جائے، جیسا کہ متاخرین نے نسخ کی تعریف کی ہے تو پھر سارا قرآن ہی مشکوک ہو جائے گا۔ مولانا کہتے ہیں۔:

قرآن عظیم کے مطالعہ اوراس کے عملی حقائق کے تعین میں فکری انتشار کا ایک باعث "ناسخ ومنسوخ" کا مسئلہ بھی ہے ۔ "ناسخ ومنسوخ" سے مراد یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بعض آیتیں ہیں جو دوسری آیات کو منسوخ کرتی ہیں۔اس مسئلے میں مزید الجھن اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل علم متفقہ طور پر اس کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ قرآن مجید کی فلاں فلاں آیت منسوخ ہے۔ چناں چہ اس معاملے میں خود ان میں اختلاف موجود ہے مثلاً ایک عالم ایک آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے اور دوسرا ہے کہ اس کی تنسیخ کا قائل نہیں۔لازمی طور پر اہل علم کے اس اختلاف کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے اوراس سے احکام اور عملی نتائج اخذ کرنے والے پر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک آیت سے ایک حکم نکالتا ہے لیکن اسکے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔اس طرح اسے اس حکم پر عمل نہ کرنے کا ایک عذر مل جاتا ہے۔ اور وہ اس شبہ کی بناء پر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیتا ہے۔

متقدمین کی تعریف نسخ اور شاہ ولی اللہ

مولانا کے خیال میں متقدمین کی تعریف کے مطابق شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے قائل ہیں، اور اس قسم کے نسخ کے مولانا سندھی بھی قائل ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسوخ فی العلم کے کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ آپ نے "ناسخ ومنسوخ" کے اس مسئلے کو اطمینان بخش طریقے سے حل کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے **الفوزالکبیر** میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ علماء متقدمین نے "نسخ" کے جو معنی بیان کیے تھے شاہ صاحب بھی نسخ کی اس اصطلاح کو مانتے ہیں متقدمین نسخ سے یہ مراد لیتے تھے کہ ایک مضمون پہلے مطلق بیان کیا گیا ہے بعد میں دوسرے موقع پر اس کو مقید کر دیا۔ یا پہلے کوئی مضمون اجمالی طور پر بیان ہوا تھا پھر اس کی تفصیل کی گئی۔ ان حالات میں لغوی طور پر یہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون کو پہلے مضمون نے منسوخ کر دیا۔

متقدمین نے نسخ کی جو تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے تو بے شک قرآن کی آیات میں کثرت سے نسخ موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ مکی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور مدنی سورتوں میں ان اصول اور کلیات کی تشریح اور تفصیل ہے۔ ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر ایک قوم کو درجہ بدرجہ ترقی کی منزلیں طے کرنا ہوتی ہیں۔ چناں چہ تدریجی ترقی دینے والا کوئی استاد اس طریق بیان سے نہیں بچ سکتا۔ راہ ترقی پر چلتے ہوئے ایک درجہ کے بعد دوسرے درجہ میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس تبدیلی کو جو قطعاً طبعی ہے معیوب نہیں سمجھا جا سکتا۔ نہ اس سے کسی قسم کے شکوک پیدا ہونے چاہئیں۔

متاخرین کی تعریف نسخ اور شاہ ولی اللہ

مولانا کہتے ہیں، کہ متاخرین نے نسخ کی جو تعریف کی ہے، شاہ ولی اللہ اس کے مطابق نسخ کے قائل نہیں ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

---لیکن متقدمین کے بعد متاخرین کا زمانہ آیا تو انھوں نے نسخ کا ایک خاص مطلب معین کر لیا انھوں نے یہ سمجھا کہ جیسے تورات کے تفصیلی احکام پر قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد عمل کرنا ممنوع ہے اس طرح قرآن میں بعض آیات ایسی ہیں جن کو بعد کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے اور اس لیے ان پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔
ان معنوں میں نسخ کی اس اصطلاح کا عام طور پر اس زمانے میں رواج ہوا جب کہ فقہاء میں آپس میں اختلاف اور تضارب پیدا ہو چکا تھا۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ متاخرین کی اس اصطلاح کے مطابق قرآن میں نسخ کے سرے سے قائل ہی نہیں۔[۷]

شاہ ولی اللہ کا انکار نسخ میں منہج

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ شاہ صاحب متاخرین کے مطابق نسخ کے قائل نہیں ہیں، تو اس دعویٰ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے تو اپنی مشہور زمانہ کتاب **الفوز الکبیر** میں پانچ آیات قرآنیہ کا منسوخ ہونا تسلیم کیا ہے۔ مولانا سندھی اس سوال کا جواب **الفوز الکبیر** کے اسلوب سے ہی تلاش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

----- لیکن واضح رہے کہ وہ نسخ کے متعلق عام عقیدہ کی تردید اور اس کی اصلاح میں حکیمانہ اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اہل علم ایک عرصہ دراز سے نسخ کو مانتے چلے آرہے ہیں۔ اور جو شخص کلی طور پر نسخ کا انکار کرتا ہے اسے معتزلہ میں شمار کریں گے۔ اور اس کی بات پر غور کرنا ہی چھوڑ دیں گے اپنے زمانے کے اہل علم کے اس عام رجحان کے پیش نظر شاہ صاحب اس مسئلے کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "پہلے اہل علم قرآن میں پانچ سو آیتیں منسوخ مانتے رہے لیکن شیخ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب **الاتقان فی علوم القرآن** میں صرف بیس آیتیں منسوخ تسلیم کی ہیں۔ اس مسئلے میں جلال الدین سیوطی اپنے مقتدا اور پیشرو قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ

۷- عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، ۳۹۔

المعروف بہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ کے نقش قدم پر چلے ہیں۔"

اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان بیس آیتوں میں سے پندرہ کی اسطرح تطبیق کرتے ہیں کہ ان کا منسوخ ہونا ساقط ہو جاتا ہے۔ آخر میں صرف پانچ آیتیں ایسی رہ جاتی ہیں جنہیں شاہ صاحب منسوخ قرار دیتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی ہو وہ باقی ماندہ پانچ آیات میں بھی بڑی آسانی سے تطبیق دے سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں شاہ صاحبؒ کا اصل مقصود تو یہی ہے کہ قرآن مجید میں سرے سے کوئی آیت منسوخ نہیں، مگر وہ اس بات کو مصلحت کی وجہ سے صراحتاً نہیں کہتے کیوں کہ اس طرح صراحتاً کہنے سے ان کی بات معتزلہ کے قول کے مشابہ ہو جاتی۔ اور عام اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اصلاح کرنا چاہتے تھے وہ نہ ہوتی۔ اس غرض کے لیے آپ نے حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ السیوطی نے جو بیس آیتیں منسوخ مانی تھیں ان میں سے جو مشکل تھیں ان کو حل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ منسوخ نہیں ہیں اور نہایت آسان آیتوں میں نسخ مان لیا۔

ان پانچ آیات میں سے جن کو شاہ ولی اللہؒ نے منسوخ مانا ہے جو آیت سب سے مشکل ہے اسے ہم یہاں مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں امام ولی اللہؒ الفوزالکبیر میں لکھتے ہیں کہ آیت: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۸۰) (فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشر طیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لیے، انصاف کے ساتھ، یہ حکم لازم ہے پرہیز گاروں پر۔) اور اس کی ناسخ آیت ہے: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ ... الایۃ﴾ (النساء:۱۱) (حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ہے دو تہائی اس مال میں سے جو چھوڑ مرا-----) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث: "لا وصیۃ لوارث"

آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ..الخ﴾ تو والدین کے لیے وصیت کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے بعد جو آیت ہے اس میں والدین اور اقارب کے لیے وراثت میں سے شرعی حصے مقرر کر دیے گئے ہیں اس لیے اب ضروری نہیں رہتا کہ مرنے والا وصیت کر جائے۔ اسی بنا پر شاہ صاحبؒ نے پہلی آیت کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوتی کہ کسی وجہ سے وارث بھی غیر وارث ہو جاتے اور والدین بھی اپنی اولاد کی وراثت سے محروم قرار دیے جاسکتے تو اس آیت کی توجیہ ناممکن تھی اور واقعی اسے منسوخ ہی ماننا پڑتا۔ لیکن اس معاملے میں میرے شخصی حالات ایسے تھے جن کی بنا پر مجھے خاص طور پر اس امر میں غور کرنے کا موقع ملا۔ میری والدہ غیر مسلمہ تھیں اور میرے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے میں سخت بیمار ہو گیا اور مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر گیا تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا اس وقت جو اس کی اتنی تواضع کی جاتی ہے تو وہ محض میری وجہ سے ہے میرے مرتے ہی یہ بیچاری اس توجہ سے محروم ہو جائے گی۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ...﴾ میں وصیت کا کیا مطلب ہے اور اگر کسی کو اس طرح کے حالات پیش آئیں تو واقعی اس کے لیے وصیت کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ چناں چہ میرے نزدیک اس آیت پر عمل کرنے کی ایک

صورت نکل آئی۔ اس لیے میں اس آیت کو اب منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ بے شک تطبیق کے لیے ہم نے یہاں ایک عمومی اور مطلق حکم کو خاص حالات کے ساتھ مقید کر لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ یہ فقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے علی ہذا القیاس باقی چار آیتوں میں بھی تطبیق بہت آسان ہے اس طرح کی ناسخ آیت کو "اولیٰ" کے حکم میں مان لیجیے اور منسوخ کو غیر اولیٰ" سمجھئے یا ایک "عزیمت" پر دال ہے تو دوسری "رخصت" پر۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب نے قرآن میں فی الجملہ نسخ کے انکار کے لیے اس طرح ایک حکیمانہ طرز بیان اختیار کیا ہے ورنہ آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ...﴾ کے متعلق کیسے ممکن ہے کہ جس بات کو میں سمجھ گیا شاہ صاحب کی نظر ادھر نہ گئی ہو اس ضمن میں باقی ماندہ جو چار آیات ہیں وہ میرے اس بیان کی شاہد ہیں۔ شاہ صاحب نے السیوطی کی تسلیم کردہ بیس منسوخ آیتوں میں سے جس طرح پندرہ کو تطبیق دی ہے اور ان کا منسوخ نہ ہونا ثابت کیا ہے ان قواعد پر بڑی آسانی سے ان چار مذکورہ آیات کی بھی تطبیق ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں عام ذہنیت کو تشویش اور انتشار سے بچانے کے لیے شاہ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ ہے اس طرح کی ایک مثال ہمیں شاہ صاحبؒ کی کتاب "المسوّٰی" میں بھی ایک جگہ ملتی ہے فرماتے ہیں کہ بعض اوقات شارع غیر مطہر کو مطہر کے درجہ پر رکھ دیتا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جس کی تطہیر زیر بحث ہے وہ نجس ہی نہیں مگر چونکہ ذہنیت عامہ اسے نجس سمجھتی چلی آتی ہے۔ اور اب اگر اس کی نجاست کی نفی کر دی جائے تو ذہنیت عامہ اس سے ابا کرے گی۔ اس لیے اس غیر مطہر چیز کے متعلق یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ دوسری چیز سے جو اس کے بعد واقع ہوئی ہے پاک ہو جاتی ہے۔ المسوّیٰ کی عبارت حسب ذیل ہے: "ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف کی ام ولد کا ذکر ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام سلمہؓ سے پوچھا کہ میں جو کپڑا پہنتی ہوں وہ لمبا ہوتا ہے اور چلتے وقت زمین پر گھسٹتا رہتا ہے اور میں میلی کچیلی جگہ میں چلتی پھرتی ہوں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے" یطھرہ مابعدہ "یعنی ایک جگہ سے اگر میل کچیل لگتی ہے تو دوسری جگہ سے گھس کر پاک ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے **المنهاج** میں لکھا ہے کہ گلی اور بازار کا کیچڑ جس کو عام طور پر نجس سمجھا جاتا ہے نجس کے حکم میں نہیں ہے کیوں کہ اس سے بچنا ناممکن ہے۔ **هدایه** میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب وہ خراسان کے شہر "رے" میں داخل ہوئے اور انھوں نے وہاں میل کچیل اور کیچڑ وغیرہ کی کثرت دیکھی تو آپ نے فتویٰ دیا کہ اس کے زیادہ لگنے سے نماز ممنوع نہیں ہے اس سے بخارا کے کیچڑ کے غیر نجس ہونے کے متعلق قیاس کر لیا گیا۔[۸]

مذکورہ بالا طویل اقتباس اس پر دال ہے کہ مولانا سندھی شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصول سے باہر نہیں جانا چاہتے، البتہ اس کی توضیح و تشریح میں محض الفاظ کا پابند ہونے کے بجائے اپنے نکتہ رس ذہن سے ایک نئی اور منفرد ترکیب بنا لیتے ہیں، جو کہ ہر شارح کے لیے مشعل راہ ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے علاوہ دیگر بھی متعدد اہل

۸۔ عبید اللہ سندھی، امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف، ۳۹، ۴۰، ۴۱۔

علم نسخ فی القرآن کو نہیں مانتے۔ البتہ شاہ ولی اللہ کے حوالے سے یہ توجیہ سب سے پہلے مولانا عبید اللہ سندھی نے ہی اختیار کی ہے۔

آیت قرآنی میں مذکور نسخ سے مراد

مولانا سندھی قرآن حکیم میں نسخ کو نہیں مانتے اب ان کے سامنے یہ سوال تھا کہ قرآن حکیم میں خود نسخ کا ذکر موجود ہیں، چناں چہ قرآن حکیم کی آیت کریمہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۰۶ کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں:

> یہود کا اعتراض تھا کہ آنحضرت ﷺ پر کیوں وحی نازل کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے احکام کیوں منسوخ کیے جاتے ہیں پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ االلہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کا اس کے لیے انتخاب کرلیتا ہے۔ اگر ایک قانون منسوخ کیا جاتا ہے تو اس کی بجائے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اس سے بہتر قانون دیا جاتا ہے۔

> آیات: بمعنی پیغام ہیں اس سے مراد آیات قرآنی نہیں بلکہ آیاتِ موسوی مراد ہیں۔ اگلی آیت میں قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے کہ پرانے قانون کو منسوخ کر کے نئے قانون ہمیشہ وضع کیے جاتے ہیں تا کہ ادنیٰ قوانین کی بجائے اعلیٰ قوانین دیے جائیں مثلاً باغ میں ایک درخت جب اپنی بہار دے کر خشک ہو جاتا ہے تو باغبان اسے اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے اور اس کی بجائے ایک نیا پودا لگا دیتا ہے۔ قانونِ موسوی صرف ایک خاص وقت تک اور ایک خاص قوم کے لیے مخصوص تھا اور صرف اسی قوم کا متکفل ضامن تھا اس کو اب منسوخ کر کے اس کی بجائے ایک اعلیٰ دائمی قانونِ فطرت دیا جارہا ہے الغرض اس جگہ موسوی قوانین کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔[۹]

مسئلہ نظم قرآن پر شاہ ولی اللہ کی رائے کی توضیح

نظم و ربط قرآن بھی ایک مشکل فن ہے، جس میں علماء کی مختلف آراء ہے، الفوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ کے کلام سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ربط کے قائل نہیں ہیں، جب کہ تفسیر میں انھوں نے جابجا ربط بیان بھی کیا ہے۔ مولانا سندھی ربط کے قائل ہیں، اور پورے قرآن کو مربوط انداز سے پیش کرتے ہیں۔ مولانا شاہ صاحب کے نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر قرآنی معارف کو بیان کرتے وقت آیات کے باہمی ربط اور نظم کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ عربوں کی قوم ان پڑھ تھی اس ان پڑھ قوم کو سمجھانے کے لیے ان کی عادات اور مزاج کے

۹۔ عبید اللہ سندھی، **تفسیر المقام المحمود**، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۰۶، بحاشیہ مفتی عبد القدیر۔

مطابق خود ان کے طرز بیان اور محاورات میں قرآن نے اپنے مقاصد بیان کیے ہیں۔ قرآن کا اصل مقصد ان کو سمجھانا اور ان کا تزکیہ تھا، اس سلسلے میں مضامین کی تکرار یا طرزِ بیان کے اطناب یعنی بات کو پھیلا کر کہنے سے بچنے کی کبھی سعی نہیں کی۔ قرآن کے پیش نظر دراصل یہ تھا کہ جو لوگ اس کے مخاطب ہیں انہیں اپنے مقاصد سے آگاہ کرے اور انہیں اپنی بات ذہن نشین کرا دے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا۔ ایک علمی کتاب اگر اس طرح انسانوں کی ایک جماعت کو بلند کر دیتی ہے اور عملاً اس کی افادیت اور کارآمد ہونے کا دنیا کو عینی ثبوت مل جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اسے جاننے کے بعد ایک حکیم کی نظر میں اس امر کی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے گی کہ اس کتاب کے طرز بیان میں کہاں تک تسلسل ہے۔ دراصل یہ بات ہے جس کی بنا پر ہمارے خیال میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی معارف کی تشریح و توضیح کرتے وقت نظم وربطِ آیات کے موضوع پر زیادہ توجہ نہیں کی۔ چناں چہ **الفوز الکبیر** میں ارشاد فرماتے ہیں: "قرآن کے ان علوم پنجگانہ کو اس عہد کے عربوں کے محاورہ کے مطابق بیان کیا گیا ہے، بعد میں متاخرین کے ہاں جس اسلوب کا رواج ہوا قرآن نے اپنے طرز بیان میں اس کی پیروی نہیں کی۔ یہی بات ہے کہ ایک بات کہتے کہتے دوسری بات بیان کر دینے اور ایک مطلب سے دوسرے مطلب پر آنے کے لیے جو مناسبت اور تمہید ضروری سمجھی جاتی ہے اس کی رعایت نہیں کی گئی۔ بلکہ جس چیز کو بندوں کے لیے اہم سمجھا اسے بیان کر دیا۔ اس سلسلے میں اگر کوئی بات مقدم آ گئی تو اسے مقدم رہنے دیا اور اگر کوئی بات مؤخر ہو گئی تو اسے مؤخر رہنے دیا۔"[۱۰]

یعنی عبارت میں کسی بیان کی تقدیم و تاخیر مقصود اصلی نہ تھا مخاطبین کے لیے کسی بات کو مقدم کرنے میں فائدہ تھا تو اسے مقدم کر دیا اور اگر اسے مؤخر کرنے میں مخاطبین کو آسانی تھی تو اسے مؤخر کر دیا۔

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاہ ولی اللہؒ قرآن کی ادبی لطافت یعنی آیات کے باہمی نسق وربط پر نظر نہیں رکھتے۔ اصل میں شاہ صاحبؒ کا مطلب فقط یہ تھا کہ سب سے پہلے تو قرآن کے مطالب اور اس کی حکمت پر غور کرنا چاہیے، جسے بد قسمتی سے اکثر مفسرین فراموش کر چکے ہیں۔ بے شک ہمارے علماء متاخرین نے قرآن کی بلاغت اور اس کے متعلقات کی تشریح و بیان میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے اس طرف توجہ نہ کی کہ وہ حکمت کے اصولوں پر قرآنی مطالب کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان علماء کی ادبی موشگافیوں کا عقل مندوں پر زیادہ اثر نہیں ہوتا اور قرآن کی حکمت سے اہل علم واقف نہیں ہو پاتے۔ ان کے برعکس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کرتے ہیں کہ سب سے پہلے تو قرآن کی حکمت اور اس کے معارف پر بحث کرتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک قرآن کا اصل مقصود ہی یہی ہے۔ اور جب وہ اس موضوع سے فارغ ہو جاتے ہیں تو پھر نمونے کے طور پر ربطِ آیات کے بیان میں بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جیسا کہ **فتح الرحمٰن** میں سورۂ

۱۰۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، ۴۰۔

بقرۃ کی آیت ﴿ یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ ۚ وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴾ کے حاشیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ آتے ہیں وہ اپنی تفسیر **فتح العزیز** میں ربطِ آیات پر التزام سے بحث کرتے ہیں۔ چناں چہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اَتباع میں سے ربط آیات کے فن کے بیان میں شاہ عبد العزیز نے خاص طور پر سبقت کی۔

ربط ونسقِ آیات کے سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ کے نقطہ خیال کو جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ قرآن کے مذکورہ بالا علوم پنجگانہ کے بیان میں ترتیب اور ربط کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن میں جس قدر احکام ہیں وہ ایک جگہ بیان کیے گئے ہوں اس کے بعد یہود و نصارٰی، مشرکین اور منافقین سے بحث و مناظرہ کا باب خاص ترتیب سے آئے۔ بعد ازاں تذکیر بآلاء اللہ کا ذکر ہو، پھر تذکیر بایام اللہ کا اور اسی طرح تذکیر بالموت ومابعدہ کا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاہ صاحب آیتوں اور سورتوں میں ربط کا انکار کرتے ہیں مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت "یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ" جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے اس پر جو حاشیہ ہے اس میں شاہ صاحبؒ کی تشریح ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"مترجم کے نزدیک یہاں سے لے کر ﴿سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ﴾ تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اس امر کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی نبوت نتیجہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا جو تورات میں مذکور ہے۔ نیز اللہ تعالٰی یہاں ملت حقیقی کو ترجیح دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بعثتِ محمدی کا مقصد اسی ملت حنیفی کا قیام ہے۔ پھر یہود کے اس قول کی بھی تردید کی گئی ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے مرتے وقت بنی اسرائیل کو یہودیت کی وصیت کی تھی۔ ازاں بعد انبیاء میں تفریق کرنے کی ممانعت کی گئی ہے یعنی یہ کہ آدمی ایک کو مانے اور دوسرے کا انکار کرے۔" الغرض شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قرآن کے اس طویل مضمون کو ذرا سی تشریح سے مربوط بنا دیا ہے اور اس طرح ان تمام آیات میں ایک دوسرے کے ساتھ ربط اور تناسب پیدا ہو گیا ہے۔"[11]

مذکورہ بالا بحث میں مولانا نے عمدہ انداز سے شاہ صاحب کے مسلک اعتدال کو واضح کر دیا ہے، نیز یہ بتایا کہ شاہ صاحب فنی باریکیوں کے بجائے مقصود قرآن کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔

آیات متشابہات کا فہم

قرآن حکیم نے اپنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، محکمات و متشابہات، اہل علم کا اس میں اختلاف ہیں کہ متشابہات کا فہم حاصل ہو سکتا ہے، یا نہیں، مولانا عبید اللہ سندھی کے نزدیک راسخین فی العلم ان کو سمجھ سکتے

۱۱۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف** ۴۴-۴۶۔

ہیں، چناں چہ آیت کریمہ وما ننسخ کی تشریح میں مولانا کہتے ہیں:

(کتبِ الٰہیہ قانون کی دونوعوں پر مشتمل ہوتی ہیں)(۱) محکمات یعنی قانون الٰہی جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔(۲) متشابہات: قانون الٰہی جو بخوبی سمجھ نہ آسکے یعنی دو مطلب نکلیں یا یہ یا وہ۔

فاماالذین فی قلوبہم :یعنی جن کے دلوں میں کجی ہے ایسا طبقہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے پاس متشابہات کی اس طرح تاویل کی جائے کہ لوگوں میں قانون کی اسپرٹ ہی پیدا نہ ہوسکے۔

ومایذکر الااولوالالباب:(عقلمند لوگ ہی قانون سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں)ان کی کیفیت اس سورت کی آیات نمبر ۱۹۱تا۱۹۴اور ۱۹۹میں بخوبی دی گئی ہے۔[۱۲]یعنی جن لوگوں کے دل میں فرقان (جس کی تشریح شروع سورت میں گزر چکی) کی قابلیت پیدا ہوگئی ہے وہ یہی لوگ ہیں ان میں سوچ و سمجھ پیدا ہوگئی ہے۔[۱۳]

مولانا کہتے ہیں کہ یہ ایک مشکل فن ہے، جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا کے خیال میں شاہ ولی اللہ بھی متشابہات کو سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم کے مشکل فنون میں سے ایک آیات متشابہات کا فہم بھی ہے، مولانا سندھی کے نزدیک علماء راسخین متشابہات کو سمجھ سکتے ہیں، اور شاہ صاحب بھی متشابہات کو سمجھتے تھے، چناں چہ مولانا کہتے ہیں:

تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ محکمات اور متشابہات کا ہے قرآن کریم نے خود اپنی آیات کو محکمات اور متشابہات میں تقسیم کیا ہے۔عام طور پر اہل علم متشابہات میں بحث کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔ لیکن دقت یہ ہے کہ آیات متشابہات کی کوئی ایسی متفقہ علیہ واضح تعریف اور تشریح نہیں جس کی بناء پر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ قرآن کی فلاں فلاں آیات محکمات ہیں اور فلاں فلاں متشابہات ہیں جن میں کہ گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ متشابہات کے غیر معین ہونے اور ان میں بحث کو ناممکن سمجھنے کا یہ اثر ہوا کہ ایک تو سارے کا سارا قرآن قابل فہم نہ رہا۔ دوسرے متشابہات میں غور نہ کرنا ایک اصول اور عقیدہ بن گیا۔ ایک کتاب کی نسبت جب یہ عقیدہ ہو جائے کہ اس بعض حصے اور طر ُ فہ بات یہ ہو کہ ان بعض حصوں کا پورا تعین بھی نہ ہو، فہم سے بالاتر ہیں، تو متوسط عقل رکھنے والے کے لیے ساری کی ساری کتاب بتامہ مشتبہ بن جاتی ہے۔ اور موقع بے موقع رہ رہ کر طبیعت میں یہ خدشات اور اوہام اٹھتے ہیں کہ معلوم نہیں فلاں فلاں آیت کا جو مفہوم ہم نے معین کیا ہے، ممکن ہے ان آیات میں جن کو ہم سمجھ نہیں سکے، اس کے خلاف کوئی بات ہو۔ اس غلط فکر سے قدرتاً قرآن کی تعلیمات اور اس کے احکام کے بارے میں وہ عزم ویقین پیدا نہیں ہو سکتا جو عمل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ چناں چہ متشابہات کے متعلق اس غلط فہمی اور ناقص عقیدہ نے قرآن کی عملی دعوت کی طرف سے مسلمانوں کے التفات کو یکسر ہٹا دیا ہے۔

۱۳۔ عبید اللہ سندھی، **تفسیر المقام المحمود**، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۷۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علوم و معارف کے ذریعے اس غلط فکر کی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ چناں چہ آیات متشابہات کے تعینِ معانی کے سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ کی حکمت ہمارے اصحابِ علم میں سے "راسخین فی العلم" کو واقعی اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ تحقیقی طور پر متشابہات کے مفہوم کو سمجھ لیں۔ شاہ صاحبؒ کے ان علوم کو ہم تکمیلی علوم میں شامل کرتے ہیں اور ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہر طالب علم تکمیل کے اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ مسلسل اپنی جدوجہد جاری رکھے تو "رسوخ فی العلم" کا مرتبہ حاصل کر لینا اس کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ "رسوخ فی العلم" والے یا دوسرے لفظوں میں "راسخین فی العلم" کا گروہ متشابہات کو سمجھ سکتا ہے ------ زمانہ قیامِ مکہ میں ہمیں زیادہ تر ایسے اہل علم سے واسطہ پڑ تا رہا جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے قائل تھے۔ یہ لوگ ظاہر یہ، حنابلہ، اور شافعی محدثین کی طرف علمی میلان رکھتے تھے، اور یہ اس وہم میں مبتلا تھے کہ متشابہات میں بحث کرنا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے۔ ان کے نزدیک متشابہات کا یقینی طور پر علم حاصل کرنا کسی عالم کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس کے برعکس شاہ ولی اللہؒ ہیں کہ متشابہات میں بحث کرتے ہیں۔ اور یہ بات مکہ کے اہل علم کے اصول کے خلاف تھی۔ چناں چہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کو کھلے طور پر طلباء کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس لیے ان کی کوشش یہ تھی کہ وہ ہماری تعلیمی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دیں۔ اس بنا پر ہمیں تھوڑے دنوں بہت پریشانی رہی اور ہم نرمی سے بحث و استدلال کے ذریعہ انہیں اس مسئلے میں قائل کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے۔ اسے اتفاق کہیے کہ ان ہی دنوں "سورۂ اخلاص" کی تفسیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی لکھی ہوئی ہے مصر کی مطبوعہ ہمارے ہاتھ آئی۔ ہم نے اس کا مطالعہ کیا تو ہماری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ ہم نے دیکھا کہ امام ابن تیمیہؒ نہایت شدت سے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ متشابہات کے بارے میں یہ خیال اس طرح پیدا ہوا کہ محکمات اور متشابہات کا جن آیات میں ذکر کیا گیا ہے ان کے ضمن میں **وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ** کی جو آیت ہے اس پر مضمون ختم کر دیا جاتا ہے اور اِلَّا اللّٰهُ کے بعد وقف لازم مانا جاتا ہے۔ اور آیت **وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ** سے ان کے نزدیک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ چناں چہ اس طرح وہ اس آیت کو پہلی آیت سے منقطع کر دیتے ہیں۔ اس فکر کی تردید کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پوچھتے ہیں کہ آیا آیات متشابہات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں؟ اور اس سے اوپر کیا جبرئیل بھی ان کا مقصود جانتے تھے یا نہیں؟ اب اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو ان آیتوں کو نازل کرنے کا آخر مقصد کیا تھا؟ امام ابن تیمیہؒ کی اس بحث کو ہم نے مکہ معظمہ کے اہل علم کے سامنے پیش کیا تو وہ حیران رہ گئے۔ بعد ازاں وہ خود ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتابوں سے اس امر کی تائید میں اقوال تلاش کر کے ہمیں سنانے لگے ---- متشابہات کی تاویل و تفسیر کے معاملے میں یہ تھے میرے اساسی خیالات۔ بعد میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت نے میرے اس فکر کی تکمیل کر دی اور اس کی برکت سے میں اس قابل ہو سکا کہ قرآن کے مطالب اور مفاہیم کو پورے اطمینان سے سمجھ سکوں۔ میری رائے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیر قرآن کے اس فن کو تعلیم و تلقین کے ذریعہ اپنی خاص جماعت میں عام کر دینا اسلامی تاریخ کے اس دوسرے ہزار سال میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں سے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اس فن میں ایک مستقل

حیثیت کے مالک تھے یعنی وہ اپنے زمانے کے اہل علم کو ان کی خاص اصطلاحات کے مطابق اس معاملے میں مطمئن کر سکتے تھے۔"[۱۴]

مولانا متشابہات کی تاویل و تفسیر پر شاہ صاحب کے خیالات کی اصولی توضیح کے بعد آگے بعض دقیق مسائل، جیسے مسئلہ تقدیر، مسئلہ وجود کائنات اور وجود باری تعالیٰ بطور مثال کے سمجھاتے ہیں۔ جب طالب علم ان مشکل مسائل کو سمجھ لے تو پھر دیگر ان سے نسبتاً آسان متشابہات کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

مولانا کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" ان کے منہج و اصول تفسیر کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے، اس میں انھوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی اصولوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ضمناً اپنا منہج بھی واضح کر دیا ہے، اور انھوں نے اس میں بتایا ہے کہ شاہ صاحب کے ان اصولوں کو وہ کس طرح دیکھتے ہیں، اور ان کی توضیح و تشریح کیسے کرتے ہیں۔

مبحث سوم: افادات تفسیریہ میں بیان شدہ بعض منتخب اصول

مولانا سندھی نے دروس تفسیر میں جا بجا مختلف اصول تفسیر بیان کیے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند اہم مولانا کے الفاظ میں نقل کیے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم تمام زندگی کے لیے مشعل راہ ہے

مولانا عبید اللہ سندھی قرآن حکیم کو محض احکام تک محدود کرنے کے بجائے تمام زندگی کے لیے مشعل راہ بنانے کی ترغیب دیتے ہیں، اور آیات احکام کے علاوہ باقی آیات کو بھی تمام نظام زندگی اور فلسفہ علم میں تمام علوم پر مقدم رکھنے کے قائل ہیں۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

> جہاں تک اصول دین کا تعلق ہے ہمارے فقہاء احناف نے بے شک "اصول فقہ" میں قرآن کریم کو پہلے درجہ پر رکھا تھا۔ لیکن عملاً وہ قرآنی مطالب کی بحث و تمحیص میں آیاتِ احکام سے آگے نہ بڑھتے تھے ۔اوران کی ساری کوشش اس امر تک محدود رہتی تھی کہ قرآن کے صرف اوامر ونواہی پر بحثیں کریں۔ قرآن حکیم کو محض ان محدود معنوں میں قابل عمل سمجھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام علماء نے تمام قرآن کو سمجھنا ضروری نہ جانا اور آخر کار ہوا یہ کہ قرآن کی تفسیر واعظوں اور قصہ گو افسانہ طراز لوگوں کے ہاتھ

۱۴۔ عبید اللہ سندھی، امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

آ گئی اور فقہاء کا اس میں دخل نہ رہا۔[۱۵]

حدیث رسول ﷺ قرآن حکیم سے مستنبط ہے

قرآن حکیم کے پہلے مفسر جناب نبی اکرم ﷺ ہیں، ان سے ثابت شدہ ہر عمل اور ہر بات قرآن کی تفسیر ہے، مولانا سندھی کے خیال میں دین اسلام کا مصدر اساسی قرآن حکیم ہے، جب کہ حدیث و اجماع صحابہ وغیرہ اس کی تشریح ہیں۔ مولانا کہتے ہیں:

قرآن مجید میں سورہ نجم میں ہے: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ نہیں ہے وہ مگر جو اللہ نے وحی کیا۔ "وہ" سے کیا مراد ہے؟ شاہ صاحب نے **فتح الرحمن** میں "هُوَ" سے قرآن مجید مراد لیا ہے۔ یوحیٰ کی نسبت فقط قرآن کریم سے ہے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ نے قرآن سے استنباط کی اور اللہ نے اس کی غلطی نہیں پکڑی۔ قرآن میں وہی مثالیں موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا، باریک فکر بنایا تو خدا نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اب جس حدیث پر قرآن نے انکار نہ کیا یا وہ ملحق بالوحی ہو گئی، اس کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔ یہ مطلب ہے، اہل علم کا جب وہ کہتے ہیں کہ حدیث بھی وحی ہے۔

اس طرز پر سوچنے کا یہ لازمی نتیجہ ہو گا کہ قرآن قائم بالذات کتاب ہے۔ حدیث اپنے وجود میں اس کی محتاج ہے۔ وہ اپنی ہستی ثابت کرنے کے لیے کسی دوسرے علم کی محتاج نہیں ہے۔ (امالی عبیدیہ، ص ۱۶۳)

مولانا شاہ ولی اللہ کی حکمت کا تعارف کراتے ہوئے اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

لیکن اس ضمن میں یہ بات بھی واضح رہے کہ دین اسلام کا اساسی قانون صرف قرآن ہے رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کے عہد وفاق تک تمام فیصلے جسے ہم سنت کہتے ہیں، اسی اساسی قانون سے مستنبط ہیں اصل دین صرف قرآن ہے اور یہ سنت اس کی عملی تفصیل ہے۔ اس سنت کا تعین رسول اللہ ﷺ نیز مہاجرین وانصار میں سے جو سابقین اولین تھے ان کے اجماع سے ہوا یعنی اجماع فی نفسہ دین کی کوئی مستقل اصل نہیں بلکہ یہ قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہے قرآن مجید کو اس شکل میں کہ صرف وہی دین اسلام کا اساسی قانون ہے اور اسی پر تمام تر دین کا انحصار ہے اور سنت یعنی اسلام کے دوراول کا اجماع اور فقہ یعنی زمانہ مابعد میں اس دور کے اتباع بالاحسان کرنے والوں کا اجماع، یہ سب کے سب قرآن کے اساسی قانون کے بائی لاز اور تشریحی بائی لاز ہیں۔[۱۶]

قرآن کی تفسیر میں عموم لفظ کا اعتبار ہو گا

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ قرآن حکیم کی آیات میں شان نزول کے ضمن میں بیان واقعہ کو محض آیت کا سمجھنے

۱۵۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف** ۲۷۔

۱۶۔ عبید اللہ سندھی، **امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف**، ۹۲-۹۳۔

میں معاون سمجھتے ہیں، باقی آیت کو کسی واقعہ کے ساتھ خاص کرنے کے بجائے اس کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

گو ائمہ فقہاء نے "اصول فقہ" میں بالاتفاق اس امر کی صراحت کی ہے کہ اگر قرآن عظیم کی کوئی آیت بلفظ عموم نازل ہوئی ہو اور مفسرین اس کی شان نزول کے متعلق کوئی خاص واقعہ ذکر کرتے ہوں لیکن قرآنی مطالب کی تشریح میں عمومیت ہی مد نظر رہے گی۔ اور کسی خاص شخص یا واقعہ سے اس آیت کو مخصوص کر دینا محل اعتبار نہ ہوگا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس قاعدے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن ہمارے مفسرین کا یہ حال ہے کہ آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے متعلق ایک جزوی واقعہ مذکور ہوگا۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے، یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت میں اتری، اس آیت میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے۔ غرض قرآن کی آیات کو مخصوص اشخاص اور واقعات سے مختص کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ اساتذہ اور طلبہ کو انہی جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔

قرآن عظیم کو عملاً آیاتِ احکام تک محدود کر دینے، نیز اس کی آیات کو عمومی مطالب کے بجائے جزئی واقعات سے مختص کر دینے کا اثر یہ ہوا کہ قرآن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی زندگی میں مؤثر نہ رہا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہماری تمام عملی سرگرمیوں میں مشعل ہدایت بنتا، لیکن ہوا یہ کہ وہ محض پڑھنے پڑھانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوزالکبیر" کی ابتداء میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چناں چہ آیاتِ احکام کے سلسلے میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اجتماعی طور پر عام بنی نوع انسان میں جو بد اخلاقیاں اور بد اعمالیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں ان آیات کا سبب نزول ان کو سمجھنا چاہیے یہاں کسی زمانے اور قوم کی تخصیص نہیں، عرب ہوں یا عجم، آج کا زمانہ ہو یا کوئی پہلے کا گزرا ہوا دور، جہاں تک یہ خرابیاں پیدا ہوں گی، قرآن کی ان آیات کا انطباق ان پر ہوگا۔ اس ضمن میں "الفوزالکبیر" کی عبارت ملاحظہ ہو: "تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ جہاں بھی برے اعمال اور ظلم کا وجود ہوگا، وہ ان آیات کا سبب نزول سمجھ جائے گا"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن عظیم کے مطالب کو اس شکل میں پیش کرنے پر صرف اکتفاء نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے صحبت یافتہ لوگوں میں سے اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت بھی پیدا کر دی۔ شاہ محمد اسحٰق پھلہتی اور شاہ محمد امین کشمیری اس گروہ کے سرکردہ حضرات تھے۔ سراج الہند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگوں سے ہی اپنے والد شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد ان علوم کو حاصل کیا تھا۔[۱۷]

شان نزول

علوم قرآن میں شان نزول کا مسئلہ بڑا مسئلہ ہے، شان نزول سے آیت کا فہم آسان ہو جاتا ہے، مگر آیت

۱۷- عبیداللہ سندھی، امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف۔

کو کسی خاص واقعہ کے ساتھ خاص کر کے محدود کر دینا درست نہیں ہے، بلکہ آیت کریمہ کو اس کے عموم پر ہی رکھا جائے گا۔ مولانا سندھی شان نزول کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں، تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کر کے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں، چناں چہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے، ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے شخصی واقعات ہی کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ:

خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے صرف بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیوں کہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے، جو قصے کی تفصیل معلوم کیے بغیر دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ فقط خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر ۸۔۲۵ میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کر کے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کر کے دیکھا جائے۔ اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امراء نے، عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی بعض علماء نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کر کے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہو سکتا، اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ: مَا اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ فَادْفَعُوْھَا اِلَیْھِمْ (یعنی جب تک امراء اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں، ان کو زکوۃ ادا کرتے رہو) ان کو معلوم نہیں کہ: جو امیر محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکواۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بنایا گیا۔ اس کے لئے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہئے۔ ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے، اس کے واسطے بندگی، ابراہیمؑ کی راہ پر، اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی) (۹۸:۵)[۱۸]

الفاظ کے معانی کے تعین میں سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن حکیم کے کسی لفظ کا کوئی ایسا معنی نہیں کیا جا سکتا، جو رسول

۱۸۔ عبید اللہ سندھی، **مجموعہ تفاسیر**، تفسیر سورہ مزمل، ۳۶۷۔

اکرم ﷺ کی سیرت کے خلاف ہو، یا جس سے سیرت میں کسی قسم کے نقص کا گمان بھی ہو سکتا ہو، چناں چہ مولانا لفظ مزمل کے عمومی معنی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ (اے مزمل!) لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں۔اَلْمُزَمِّلُ فِیْ ثَوْبِہٖ وَذٰلِکَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِعَارَۃِ... (یعنی "کپڑوں میں لپٹا ہوا" جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے۔اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲۶:۳)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا، بوجھ اٹھائے اس کی کمر دُہری ہوئی جاتی تھی۔

﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ (۹۴:۳) (اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا) اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لئے بے قرار تھا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ (۹۳:۷) (اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی)

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں!

پس لفظ مزمل کے وہ معنی لئے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔[19]

اس نقد کے بعد مولانا نے اپنے فہم کے مطابق اس لفظ کے دو ایسے معانی کیے ہیں، جو کہ سیرت مبارکہ کے بالکل شایان شان ہیں۔

بوقت ضرورت تفسیر قرآن میں سابقہ کتب آسمانی سے مدد ورہنمائی

کیا قرآن حکیم کی تفسیر میں سابقہ کتب سے مدد لی جا سکتی ہے، یا نہیں؟ اس پر مولانا کا کوئی قول بطور اصول تو ہماری نظر سے نہیں گزرا، البتہ تفسیر میں خود انھوں نے جس طرح مدد لی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سابقہ کتب سے فہم قرآن کے لیے رہنمائی لینا درست سمجھتے تھے۔ جیسا کہ وہ تاریخ سے رہنمائی لیتے تھے۔ بطور

۱۹- **مجموعہ تفاسیر**، تفسیر سورۃ مزمل، ۳۶۹۔

مثال کے ملاحظہ ہو، سورۃ الحشر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴾ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کیلئے آگ کا عذاب ہے۔)

یہود کی جلاوطنی

تورات میں یہود کو بتایا گیا تھا کہ اگر تم نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی پر ضد کی تو تم سے حکومت چھین لی جائے گی۔ اور پھر یا تو تم جلاوطن کر دیئے جاؤ گے یا قتل کر دیئے جاؤ گے۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک کا مستحق ہونا ضروری ہے۔

بنی نضیر کو، تورات کی دو سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی۔ پس اب آیت کا ترجمہ یوں ہو گا کہ "اگر اللہ نے انہیں جلاوطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا"۔

اکثر تفاسیر پڑھنے والے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جلاوطنی خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھا۔ مگر ہم یوں سمجھتے ہیں کہ تورات میں دو سزاؤں میں سے ایک کا ملنا محقق ہے یعنی جلاوطنی یا قتل۔ اس لئے آیت کا ترجمہ یوں کریں گے کہ "اگر ان یہود کو تورات کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزا دینے میں جلاوطنی داخل نہ ہوتی تو قتل کر دیئے جاتے، مگر چونکہ قتل کی متبادل سزا جلاوطنی بھی تھی اس لئے ان کو جلاوطنی ہی کی سزا دی گئی جو دونوں میں سے نرم سزا تھی۔ مسلمانوں کی حالت کے اس وقت یہ مناسب سزا تھی جو وہ دے سکتے تھے۔"[۲۰]

ایک شخص کی مثال سے مراد جماعت

سورۃ العلق ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى﴾ کی تفسیر میں مولانا کہتے ہیں:" کلیہ ہے کہ قرآن شریف ایک آدمی کی مثال پیش کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ایک جماعت یا طائفے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اب اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ایک جماعت ہے جو نماز پڑھنے والوں کو روک رہی ہے۔ اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"[۲۱]

خصوصی واقعہ سے عمومی سوسائٹی کی اصلاح

سورہ المجادلہ کی تفسیر میں مولانا بطور اصول کے بیان کرتے ہیں: "قرآن حکیم کے نزول کا عام اسلوب یہ

۲۰۔ **مجموعہ تفاسیر**، تفسیر سورۃ الحشر، ۲۴۸۔

۲۱۔ عبیداللہ سندھی، **امالی عبیدیہ**، مرتب بشیر احمد لدھیانوی (اسلام آباد: ناشر رتن پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء)، ۹۹۔

رہاہے کہ عام عرب کی ذہنیت میں حکمت کا کوئی اعلیٰ مسئلہ مرتکز کرنے کے لئے اس امر کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے، جو اس مقصد سے کسی قدر قرب رکھتا ہو۔ اس واقعہ سے لوگ متاثر ہو جائیں تو ذہن عامہ کو اس توجہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے قرآن ایک اعلیٰ اصول سمجھا دیتا ہے۔ اور عوام کو اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔"[۲۲]

گھریلو واقعات کے ذریعے اجتماعی سیاسی امور کی تفہیم

مولانا نے قرآن حکیم میں مذکور گھریلو احکامات سے مختلف انتظامی و اقتصادی اصول بطور اعتبار و تاویل کے اخذ کیے ہیں، مولانا کے نزدیک خود قرآن حکیم نے اس اسلوب کو اختیار کیا ہے، کہ عام گھریلو واقعات سے اجتماعی سیاسی امور سمجھائے جائیں، چناں چہ سورۃ المجادلۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ اجتماعی سیاسی امور کے سمجھانے کے لئے گھریلو واقعات کو عنوان بناتا ہے, کیوں کہ عرب اپنے گھر پر حاوی تھے۔ اگر ملک کو ایک بڑا گھرانا فرض کر لیا جائے, تو جو اصول تدبیر منزل میں کام دیتے ہیں, وہی تدبیر ملک میں کام دے سکتے ہیں۔

یہ ایک مخصوص واقعہ ہے عام طور پر اس قسم کے حادثات پے درپے نہیں ہوا کرتے۔ اس حادثے کے واقع ہونے پر قرآن حکیم نے عرب کے ایک مسلم قانون میں مناسب ترمیم کر دی, اس قسم کی جتنی ترمیمیں قرآن حکیم میں نازل ہوتی ہیں, وہ سب ایسے وقتوں میں نازل ہوئی ہیں۔

جب لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے لئے ایک آسانی کر دی گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ حکم کے نزول کا سبب خفی ہی بن سکتا ہے، گویہ قوم کے ذہن میں جلی ہو کر نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس قسم کی مشقت کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے اور ترمیم کو سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حکم نے سوسائٹی کے لئے کتنی سہولت کر دی ہے۔ یہاں سے انتقال ذہنی کیا جاتا ہے اسے عربی فن شعر میں "راعۃ الاستہلال" کہتے ہیں, یعنی ایک غیر متعلقہ چیز کہہ کر شاعر لوگوں کی توجہ نہایت لطیف انداز سے ایک اور مضمون کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں سننے والوں کو بڑا لطف آتا ہے، عرب ذہنیت اس طرح کے تکلم سے بخوبی آشنا تھی۔[۲۳]

دین کے بنیادی اصولوں کی وضاحت مختصر سورتوں میں

مولانا کے نزدیک قرآن حکیم بنیادی اصول چھوٹی اور مختصر سورتوں میں بیان کر دیتا ہے، اور پھر انہی کو ہر جگہ مراد لیتا ہے، چناں چہ سورۃ العصر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

۲۲۔ **مجموعہ تفاسیر**، تفسیر سورۃ المجادلۃ، ۳۲۸۔

۲۳۔ نفس مصدر، ۳۲۹۔

"قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں، جہاں ان اصولوں کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اشارہ کر دینا، یا ان کے لئے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انہی معنوں میں لیا جائے گا، جو چھوٹی سورتوں میں معیّن کیے جا چکے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے : "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ" (جنھوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کیے) اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اور "وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ" ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے، جو اس سورت میں معیّن کیے گئے ہیں۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اسلوب بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے، وہ اس کتاب عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور وہ ہر ایک سورت میں اصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں، جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لئے موزون ہوتے ہیں۔ یہ ان کی بڑی بھول ہے۔"[۲۴]

تفسیر قرآن میں عقل و نقل میں تطبیق

مولانا عبید اللہ سندھیؒ قرآن حکیم کی تفسیر میں حدیث میں منقول شرح اور عقل و لغت میں تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر دونوں کو ملا کر تفسیر کرتے ہیں، مثلا قرآن مجید سورۃ کوثر کی پہلی آیت میں " الکوثر " سے کیا مراد ہے؟ مولانا اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---- قرآن میں ہے ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ کوثر سے مراد جنت میں ایک حوض ہے، یا حشر میں ہے، یا دونوں جگہ ہے۔ یہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ ہم نے اپنے طور پر اس لفظ پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوثر کے لغوی معنی ہیں خیر کثیر۔ اور قرآن عظیم میں حکمت کو خیر کثیر کہا گیا ہے۔ ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (ہم نے کوثر کا ترجمہ حکمت بنالیا اور حکمت کا کورس قرآن عظیم ہے۔) ﴿يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ اب کوثر کا ترجمہ ہمارے نزدیک القرآن ہو گیا۔

الکوثر، الخیر الکثیر، حکمت قرآن۔ سب کا ایک ہی مطلب ہے۔ اس مطلب کے بنانے میں اس چیز کا انکار نہیں ہے جو حشر یا جنت میں بیان کی جاتی ہے۔ ------ پس قرآن کے ذریعے سے جو فیض دنیا میں پھیلا ہے وہ محشر و جنت میں حوض بن کر ظاہر ہو گا۔ جتنا کسی نے فیض اٹھایا ہے۔ اتنا ہی وہ وہاں پانی یا دودھ حاصل کرے گا۔[۲۵]

۲۴۔ مجموعہ تفاسیر، تفسیر سورۃ العصر، ۴۷۵۔

۲۵۔ عبید اللہ سندھی، **امالی عبیدیہ**، ۳۲۵۔

مابعد الطبیعات سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں مولانا کا اصول، اور مواقف علما کا تجزیہ

مابعد الطبیعات سے متعلقہ آیات کی ایسی تفسیر کرنا کہ جس کی وجہ سے کسی اصول اسلامی پر بھی زد نہ پڑے اور جدید ذہن کے شبہات کو بھی دور کیا جا سکے، ایک مشکل فن ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ کے حوالے سے ان آیات کے بارے میں علماء کے تین مناہج نقل کر کے ان پر محاکمہ کرتے ہیں، اور پھر تاویل کے معتدل اصول کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، مولانا کہتے ہیں:

شاہ صاحب پہلے آیتیں اور حدیثیں نقل کرتے ہیں اور پھر یہ فیصلہ سناتے ہیں کہ ان آیات واحادیث کو ماننے والا عالم تین راستوں میں سے ایک راستہ اپنے لیے معین کرے گا:

۱– عالم مثال حقیقتاً موجود ہیں، مادی دنیا سے اوپر جیسے شعاع اور آئینے کی نسبت ہے۔ جو تصویر آئینے میں ظاہر ہوتی ہے، وہ پہلے شعاع میں مضمر ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں اور آیتیں اس عالم کے متعلق ہیں اس لیے ان میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ علماء حدیث میں جو محقق گزرے ہیں ان کا یہی طریق تھا اور میرا بھی یہی مذہب ہے۔

۲– یہ چیزیں خارج میں نہیں ہیں مگر انسان کو ایسا ہی نظر آئیں گی کہ خارج میں ہیں۔ جیسے خواب کے واقعات، وہ خارج میں نہیں ہوتے بلکہ اس کے دماغ میں ہوتے ہیں، مگر وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں خارج میں ہیں۔ اسی طرح مان لینا چاہیے کہ دیکھنے والے کو یہ چیزیں گویا خارج میں معلوم ہوں گی۔ پھر بھی کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ بات اصولی طور پر مان لی جائے گی کہ یہ چیزیں انسان کے دماغ سے خصوصی تعلق رکھتی ہیں۔

صحابی اور بعض تابعین ایسے موقعوں پر ایسی تاویلیں کرتے رہے ہیں۔

۳– یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں نہ خارج میں ہیں نہ ذہن میں بلکہ تمثیل کے طور پر سمجھانے کے لیے استعمال کی گئی ہے، مجاز میں، حقیقت نہیں ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ جو شخص اس تیسرے درجے کا قائل ہو، اسے وہ اہل حق شمار نہیں کرتے۔

ہم دیوبند کو پہلے طریقے کا قائل دیکھتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم اس کے امام ہیں، اور بعض مواقع ایسے در پیش آتے ہیں کہ جہاں مجبوراً دوسرے درجے کی تاویل کرنی پڑی۔ اس کے بعد دوسری جماعت ایسی ہے جو دوسرے درجے کو اصل قرار دیتی ہے، اور جہاں ضرورت پڑے وہاں تیسرے درجے کی تاویل کر لیتے ہیں، یہ سرسید کا مسلک ہے۔ دوسرے درجے میں دیوبند اور علی گڑھ جمع ہو گئے۔ بنیادی طور پر دونوں اس فلسفے کو قبول کر لیا۔ مولانا شبلی علم الکلام میں کہتے ہیں کہ کاش اس درجے پر دونوں جماعتیں متفق ہو جائیں تو جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ جب ہم سرسید کی تفسیر میں کوئی تاویل دیکھتے تھے تو جس تفسیر میں وہ تمام مسلمانوں کی تفسیروں کو رد کر دیتے تھے، اور یورپ سے ایک خیال لے کر یا مطلب بتا دیتے تھے تو ہمیں صدمہ ہوتا تھا۔ کیا کوئی مسلمان شروع سے آج تک سمجھا ہی نہیں؟ مگر ہم نے سرسید کے کلام پر زیادہ گہرا غور کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے درجے پر عالم مثال کو مانتے تھے۔ اب ہمارا ان سے تنافر اس پہلے درجے پر نہیں رہا۔ مگر ہم نے کوشش کی کہ شاہ صاحب اور مولانا محمد قاسم کا جو مسلک تھا یعنی حقیقی طور پر عالم مثال کو تسلیم کرنا، اس کی بھی

کوئی اصل ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے صوفیائے کرام میں جتنے فلاسفر گزرے ہیں سب اس کے قائل نظر آتے ہیں۔ پھر پرانے حکماء میں جتنے فلاطونی ہیں، فلاطون اعظم کو ماننے والے ہوں یا نئے فلاطونی (نو فلاطونی--- Neo-Platonists) ہوں۔ وہ سب کے سب عالم مثال کو مانتے ہیں۔ اس کے بعد ریاضی دان عالموں کی بعض چیزیں بعد رابع (Fourth Dimension) وغیرہ کے تخیل ہیں۔ پڑھے تو ہمیں بنیادی طور پر عالم مثال کو خارج میں ماننے کا امکان مل گیا۔

اب ہم قرآن وحدیث کی تاویل میں اسی مسلک کا تعارف کرانا چاہتے ہیں تو یہ چیز اگر اسی طرح مانی جائے گی تو مسلمانوں کی تاریخ سے کوئی تناگر (نکرت) نہیں رہے گا۔ ہم سرسید کی تاویل تو جائز مانتے ہیں، بقدر ضرورت، مگر وہ یورپ کے غلبے سے اتنے متاثر ہو چکے ہیں کہ انہیں ہر چیز میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنے تاریخی اشکال کو صاف کرلیا۔ اب کسی آیت کا ترجمہ ایسا ہو کہ مسلمان اسے پہلے نہیں جانتے تو میرے نزدیک یہ خطرناک تھیوری ہوگی۔[۲۶]

جدید سائنسی حقائق کی تصدیق وتائید کے لیے آیات قرآنیہ کی تاویل

مولانا عبید اللہ سندھی قرآن حکیم کی تفسیر میں سائنس سے اس طرح استدلال کرنا کے جس سے بتکلف سائنسی حقائق کی تصدیق کی کوشش کی جائے اور ان قرآن سے مستنبط کرنے کی کوشش کی جائے، درست نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک یہ سائنسی حقائق وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، لہذا قرآن کی ان کے مطابق تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ طنطاوی، اور علامہ مشرقی کے منہج تفسیر قرآن پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مصر میں ایک طنطاوی الجوہری پیدا ہوا، جس نے کبیر جتنی بڑی تفسیر لکھی۔ مکے میں ملا، بہت اچھی طرح ملا۔ کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ میری تفسیر کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ میں نے کہا ہندوستان ایسا ملک ہے جس میں سب چیز چل جاتی ہے۔ عقلمند ہندوستانی کیا کہتے ہیں، وہ سن لیجئے۔ یہ جو سائنس کے مسائل بھر دیے ہیں، یورپ سے جو لوگ زیادہ ملے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یورپ نے ایک ایک مسئلے پر سینکڑوں جانیں قربان کر دی ہیں، تب وہ جاکر ایک فلسفہ یا سائنس پیدا کر سکے ہیں، اگر یہ سب کچھ قرآن میں موجود تھا تو ان کے اس درجے پر پہنچنے سے پہلے آپ کہاں تھے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ یورپ نے قرآن کو فتح کرلیا اسے یہ سن کر نیند آنے لگی۔ میں نے کہ یہ تو تمہید ہے۔ پھر اس نے بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔

اب علامہ مشرقی آیا ہے۔ وہ یورپ کی سیاست اور اجتماعیت سے بحث کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن کا یہی عین مقصد ہے۔ میرے نزدیک اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ قرآن کو یورپ نے فتح کرلیا۔ نیا دین کس طرح آتا ہے؟ اسی طرح قرآن کے متعلق یورپ نے کیا ہے تو یقینا قرآن منسوخ کر دیا ہے۔ مگر میں خدا کے فضل سے شاہ صاحب کا فلسفہ سمجھتا ہوں، اور یورپ کو سمجھا سکتا ہوں۔ اس کے بعد طنطاوی اور مشرقی کیا ڈرا سکتے ہیں۔ میرے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں قرآن کی

۲۶- **امالی عبیدیہ**،۱۶۸،۱۶۹۔

تعلیم کو کامیاب بنا کر مروں مگر یہ ضروری ہے کہ اسے جس طرح صحیح مانتا ہوں اسی طرح صحیح مانتا ہوا مروں۔ اگر شاہ صاحب کے فلسفے پر یقین نہ ہو تو یہ نہیں ہو سکتا۔[۲۷]

مطالعہ قرآن کا طریقہ

مولانا عبید اللہ سندھی مطالعہ قرآن کا درست طریقہ قرآن مجید سے اخذ کرتے ہیں، مولانا قرآن حکیم کی بیس آیات بطور دلیل کے پیش کر کے درج ذیل تین نکات میں مطالعہ کا طریقہ بتاتے ہیں:

قرآن مجید نہایت غور و خوض سے پڑھو، اور سمجھو۔ پوری طرح سے اس میں فکر کرو، تدبر کرو۔ جو کچھ پڑھو اس کے مطابق صحیح عمل کرو، کیوں کہ تمہاری پیدائش کا مقصد عمل ہے۔ کلام مجید کی تعلیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ پیش رکھو۔ کسی تعلیم پر عمل کرنے میں آسانی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس پر عمل کا مجسم نمونہ پیش نظر رہے تا کہ مختلف لوگ مختلف طریقہ عمل استعمال نہ کریں اور افراط و تفریط سے محفوظ رہیں۔[۲۸]

مولانا کے خیال میں مطالعہ قرآن کا درست اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ براہ راست قرآن حکیم کو سمجھا جائے، مختلف تفاسیر کے مطالعہ سے اکثر طالب علم قرآن حکیم کے بجائے اس مفسر کی تشریحات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں:

-----نہایت افسوس ہے کہ آج خالص قرآن کی تعلیم ہی کہیں نہیں دی جاتی جو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی، بلکہ تفسیر قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، دراصل قرآن کی تعلیم اور تفسیر قرآن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں، ایک چیز نہیں۔—"[۲۹]

تفسیر قرآن میں نظم کی رعایت

مولانا عبید اللہ سندھی کے نزدیک قرآن حکیم میں نظم قرآن کی رعایت کرنا اور نظم کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ مولانا سندھی کی ابحاث نظم و ربط ان کے تفسیری دروس میں موجود ہیں، ان ابحاث کی اہل علم نے بہت تعریف اور قدر دانی کی ہے۔[۳۰]

مولانا سورۃ بقرۃ کی تمہید میں کہتے ہیں:

۲۷۔ سندھی، **امالی عبیدیہ**، ۱۸۰۔

۲۸۔ عبید اللہ سندھی، **تفسیر المقام المحمود** (لاہور: مکی دار الکتب)، ۱۲۰۔

۲۹۔ نفس مصدر، ۱۲۴۔

۳۰ ۔ ملاحظہ ہو: مولانا احمد علی لاہوری، **تقریظات قرآن عزیز**، (لاہور: ناشر انجمن خدام الدین، شیر انوالہ گیٹ)۔

قرآن حکیم کی ہر سورۃ کا ایک موضوع (SUBJECT) ہے، اور اول سے لے کر آخر تک وہ سورۃ اسی پر مبنی ہے۔ جس قدر مطالب درمیان میں آگئے ہیں، وہ سب کے سب اسی ایک موضوع اصلی کے ناگزیر و ضروری اطراف بحث و تعلیم ہیں۔

ہر سورۃ کی ابتداء و انتہاء اس موضوع کے معلوم کرنے کی کنجی ہے۔

جب ہر سورۃ کا ایک موضوع ہے، تو یہ چیز بھی ضمناً آپ کو معلوم ہو گئی کہ قرآن کی تمام آیات باہم مربوط و مسلسل ہیں، اور ایک نظم و اسلوب حقیقی کے ساتھ، سلسلہ بیان بتدریج اجمال سے تفصیل، دعویٰ سے دلیل، اور تعلیم سے امثال و نظائر کی طرف بڑھتا اور کھلتا جاتا ہے۔ اسی کو قرآن حکیم نے "تصریف آیات" سے جابجا تعبیر کیا ہے۔ "صرف" کے معنی لغت میں رد الشئی من حالۃ الی حالۃ کیے گئے ہیں۔[۳۱]

مولانا عبید اللہ سندھی کی نظر میں نظم قرآن کی اہمیت

مولانا سندھی نظم قرآن کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو دو مختلف خیال اپنے فکر کے لئے قرآن سے استدلال نہ کرسکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے۔ اس لئے ایک عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لئے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔[۳۲]

الحاصل

۱. مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ کی پیروی کرتے ہیں۔

۲. مولانا سندھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں کی تشریح میں اپنی خداداد ذہانت اور رفاقت قرآنی سے کام لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات دیگر علماء سے الگ اور منفرد نتیجہ بھی نکال لیتے ہیں۔

---

۳۱ – عبید اللہ سندھی، **تفسیر المقام المحمود**، ۱۹۳۔

۳۲ – عبید اللہ سندھی، **مجموعہ تفاسیر امام سندھی** (کراچی: ناشر: حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ ۲۰۰۹ء)، ۳۲۸۔

۳. شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاث کو سمجھنے کے لیے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے مدد لیتے ہیں، جیسے کہ متشابہات کی بحث میں انھوں نے ذکر کیا ہے۔

۴. مولانا نے اصول تفسیر میں اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۵. مولانا درس قرآن میں جابجا اصول تفسیر بیان کرتے ہیں۔

۶. شاہ ولی اللہؒ نے جن اصولی نکات کی طرف توجہ کم کی ہے، مولانا ان پر بھی بحث کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض پر مولانا ایک مستقل منہج فکر رکھتے ہیں، جیسے کہ ربط قرآن کی بحث میں مولانا کی ایک انفرادیت ہے، جسے علامہ انور شاہ کاشمیری جیسے بڑے علماء تسلیم کرتے ہیں۔(ملاحظہ ہو، علامہ کشمیری کی تقریظ، قرآن عزیز ترجمہ وحاشیہ قرآن، از مولانا احمد علی لاہوری)

۷. مولانا احادیث اور تاریخ اسلام کے دور اول کے تراجم قرآنیہ کو درست مانتے ہوئے ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اور بوقت ضرورت اس رہنمائی کی روشنی میں نیا ترجمہ بھی کرتے ہیں۔

۸. مولانا سندھی اصول تفسیر میں سیرت رسول ﷺ کو مستقل مصدر مانتے ہیں، اور کسی ایسے معنیٰ کو قبول نہیں کرتے جو سیرت رسول ﷺ کے منافی ہو۔

۹. قرآن حکیم پر عمل کے لیے نمونہ جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

۱۰. فہم قرآن کے لیے نظم وربط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

List of Sources in Roman Script

- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Al Muqam Almehmood, Mufti Abdul Alqdir (ed.), Lahore: Muki Darulkutab, 1997.
- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Ilham ur Rehman, Molana Moosa Jaar Allah , mutrajim o Nashir Molana Mohammad Muawiya,
- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Ilhām ur Rehman, Molana Moosa Jaar Allah (trans.), Puplishir & Place???
- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Shaoor o Aaghi, syed matloob Ali Zaidi (ed.), Lahore Rheemia Mtbo‘āt, 2009.
- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Tafseer Al Muqam Almehmood, dr Munir Ahmed Mughal,
- Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Tafseer Al Muqam Almehmūd, Molana Abdul Allah lagharī & Mufti Abdul Alqdir (ed.)
- Mulana Ahmed Ali Lahori, Quran e Aziz, Lahore: Jame‘ Khudamuddin.
- Sheikh Basheer, (ed.) Molana ‘Ubaid Allah Sindhi, Aamali ‘Ubaidia, Islamabad: Ratan Publications, 2006.